یوسفی کی تحریروں میں مغربی ادبیات کے مصادر: تجزیاتی مطالعہ

(Sources of Western Literature in the Writings of Yousufi: An Analytical Study)

•ڈاکٹر فضل کبیر: لیکچرار، شعبۂ اردو اسلامیہ کالج یونی ورسٹی، پشاور
•عابد الرحمان، ایم فل سکالر، شعبۂ اردو اسلامیہ کالج یونی ورسٹی، پشاور
•ڈاکٹر امجد علی، لیکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ جہان زیب کالج، سوات

Abstract

Mushtaq Ahmad Yusufi stands as a seminal figure in Urdu literature, destined to be remembered for generations. He has profoundly enriched the literary landscape with his distinctive blend of wit and humor. As a scholar with an extensive grasp of Western literary texts, his works are imbued with myriad references that resonate with the treasures of Western literature. To truly appreciate Yusufi's writings and to extract their full depth of meaning, access to these Western texts is imperative. The present essay seeks to illuminate these references and facilitate a pathway to the original works. This endeavor not only aims to benefit literature students but also to assist the general reader in navigating the complexities of understanding Yusufi's rich oeuvre.

Key words: *Mushtaq Ahmad Yousfi ,Humor, Western Literature, William Shakespeare*

کلیدی الفاظ: مشتاق احمد یوسفی، مزاح، مغربی ادبیات، ولیم شیکسپیئر

مشتاق احمد یوسفی ۱۴/ اگست ۱۹۲۳ء کو ٹونک راجھستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ٹونک ہی میں حاصل کی، میٹرک کا امتحان مہاراجہ ہائی سکول سے اور راجپوتانہ بورڈ سے انٹر کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد انھوں نے اسی سکول سے بی اے کیا۔ ۱۹۴۵ء میں علی گڑھ کالج سے ایم اے فلسفہ اور ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۶ء میں پروونشل سول سروس میں تعینات ہوئے اور ڈپٹی کمشنر کے عہدے تک خدمات سرانجام دیں۔ آزادئ ہند کے بعد وہ پاکستان آگئے اور یہاں orient air way میں تعینات ہوئے، لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اس نے یہ پیشہ چھوڑ کر بینکاری کو ذریعۂ معاش بنایا اور چالیس سال تک مختلف عہدوں پر خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۷۹ء میں یوسفی لندن چلے گئے۔ گیارہ سال بعد BCCI سے سبک دوش

•ڈاکٹر فضل کبیر، لیکچرار، شعبۂ اردو اسلامیہ کالج یونی ورسٹی، پشاور
•عابد الرحمان، ایم فل سکالر، شعبۂ اردو اسلامیہ کالج یونی ورسٹی، پشاور
•ڈاکٹر امجد علی، لیکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ جہان زیب کالج، سوات

ہونے کے بعد ملازمت کو خیر باد کہہ کر وطن واپس آ گئے۔ یہاں آ کر مختلف ادبی و علمی محافل میں گزر بسر کرنے لگے۔ اردو ادب اور خاص کر اردو طنز و مزاح کو ترفع عطا کرنے والی یہ عظیم شخصیت ۲۰ جون ۲۰۱۸ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئی۔

مشتاق احمد یوسفی اپنی طنزیہ و مزاحیہ تحریروں کے لیے کافی مشہور ہیں اور طنز و مزاح پر مشتمل ان کی پانچ کتابیں چراغ تلے (۱۹۶۱ء)، خاکم بدہن (۱۹۶۹ء)، زرگزشت (۱۹۷۶ء)، آبِ گم (۱۹۹۰ء) اور شامِ شعر یاراں (۲۰۱۴ء) شائع ہو چکی ہیں۔ اپنی تحریروں میں انھوں نے زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کیا ہے۔ زرگزشت تو خالص ان کی آپ بیتی ہے جو ان کی حیات کی چند برسوں پر محیط ہے۔ یوسفی نے اپنی تحریروں میں وہ خاص اسلوب اپنایا ہے کہ باقی لوگ بہت کم اس کے قریب پہنچ سکتے ہیں۔ یوسفی اپنے قاری کو ہنستے ہنستے سوچنے اور سوچتے سوچتے رونے پر مجبور کرتا ہے۔ ایک قاری اس کیفیت کا متحمل تب ہو سکتا ہے جب وہ فکرِ یوسفی کی اس گہرائی تک پہنچ سکے جہاں وہ اپنا قاری لے جانا چاہتا ہے، لیکن ان کی تحریروں میں بعض پیچیدگیاں ایسی بھی ہیں جو ایک قاری کی تفہیم میں رکاوٹ کا سبب بنتی ہیں؛ جو ایک عام قاری کو اس گہرائی سے روکتی ہیں۔ ان پیچیدگیوں میں مشکل اسلوب اور کم مستعمل الفاظ کے استعمال کے علاوہ مغربی ادب کی اصطلاحات اور ادبی حوالوں کا استعمال بھی ہے۔ جن کو سمجھے بغیر ان کی تحریروں سے حظ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ مشتاق احمد یوسفی نے مغربی ادبیات سے مختلف شخصیات، ناول، ڈرامہ، افسانہ، داستان اور بعض جگہوں پر آپ بیتی وغیرہ سے انتہائی روانی کے ساتھ مختلف حوالے دیے ہیں؛ جن کی توضیح یوسفی کی فکر تک رسائی ممکن بنا سکتی ہیں۔ یوسفی کی تحریروں میں موجود مغربی ادبی حوالوں کے متعلق یوسفی نے ایک انٹرویو میں شکوہ بھی کیا ہے کہ یہاں کے ناقدین اکثر میرا موازنہ یہاں کے مختلف طنز و مزاح نگار کے ساتھ کرتے ہیں لیکن جو میرے اصل مآخذ ہیں ان کی طرف کسی کی توجہ نہیں گئی، کہتے ہیں:

"سوال: اچھا، مثلاً کون سے مصنف آپ کو پسند ہیں؟

یوسفی: مثلاً مارک ٹوین جو باوا آدم ہیں مزاح نگاری کے۔ سوئفٹ، وہ اتنے Humorist نہیں کہ جتنے Satirist ہیں اسٹیفن لی کاک پھر جاج میکش اور ادھر مصنفین میں جیمز جوائس اور پھر انتھونی برجیس ان میں سے، اگر یہ لفظ ہی استعمال کیا جائے تو ان سے influenced ہوا ہوں۔ اگر پوچھا جائے کہ کس سے influenced ہوا تو ان کا نام لوں گا ایک زمانے میں مجھ پر لارنس ڈرل بھی بہت سوار رہا تھا اور کبھی کبھی مجھے اس چیز سے ضرور مایوسی ہوتی ہے کہ لوگ میری تحریروں میں حقیقی یا فرضی پرچھائیاں، کبھی رشید احمد صدیقی کی یا کبھی پطرس کی ان کو دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن جو میرے اصل مآخذ ہیں ان کی طرف آج تک کسی کی نظر نہیں گئی۔"

ڈراموں میں دیگر ادیبوں کے مقابلے میں شکسپیئر (۱۵۶۴ء-۱۶۱۶ء) کے ڈراموں کے حوالے زیادہ ہیں۔ شکسپیئر کی تحریروں میں ان کی دلچسپی کا اندازہ ایک انٹرویو میں ان کی کہی گئی بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

"اگر مجھے انتخاب کی سہولت دی جائے تو سب سے پہلے ڈکشنری ہو گی۔ دوسرا کلام میرا اور اس کے ساتھ شکسپیئر"(۲)

یوسفی کی تحریروں میں موجود حوالے اگر ایک طرف یوسفی کی مغربی ادب سے دلچسپی کی واضح دلیل ہے، تو دوسری طرف مغربی علوم پر ان کی گرفت اور مغربی ادب کے مطالعے کی واضح دلیل بھی ہے۔ یوسفی کی تحریروں میں موجود ان مغربی ادبی حوالوں کو سمجھے بغیر یوسفی کی مزاح سے لطف لینا کسی بھی قاری کے لیے ممکن نہیں ہے۔ یوسفی کی تحریروں کو سمجھنے کے لیے ان کی تحریروں سے ان متعلقہ حوالوں کی تخریج اور تحقیق و توضیح سے نہ صرف ادب کے طلباء کے لیے یوسفی کو سمجھنے میں آسانی ہو گی بلکہ عام قاری بھی اس سے مستفید ہو سکے گا۔

ولیم شیکسپیئر (۱۵۶۴ء-۱۶۱۶ء)

شکسپیئر کے ڈرامے جولیس سیزر *Julius Caesar*(1623) کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "دبلے آدمی کینہ پرور، سازشی اور دغاباز ہوتے ہیں۔ یہ ہماری نہیں بلکہ جولیس سیزر کی رائے ہے، جس نے ایک مریل سے درباری کے ہاتھوں قتل ہو کر اپنے قول کو سچا کر دکھایا۔"(۳)

جولیس سیزر Julius caeser

جولیس سیزر شکسپیئر کا تخلیق کردہ کردار ہے جو انھوں نے ڈرامہ *Antony and Cleopatra(1623)* میں پیش کیا ہے۔ شکسپیئر اس کے موٹے آدمی کے بارے میں کہتا ہے ۔

> "CAESAR.
> Let me have men about me that are fat;
> Sleek-headed men, and such as sleep o' nights:
> Yond Cassius has a lean and hungry look;
> He thinks too much: such men are dangerous.
> ANTONY.
> Fear him not, Caesar; he's not dangerous;
> He is a noble Roman and well given."(۴)

جولیس سیزر (۱۶۲۳ء)

جولیس سیزر شکسپیئر کا ایک المیہ ڈرامہ ہے؛ جو انھوں نے ۱۵۹۹ء کو لکھا تھا۔ اس ڈرامہ میں قدم قدم پر جولیس سیزر کے المناک واقعات درج ہیں۔ اس ڈرامے کے اہم کرداروں میں مارک انتونی، بروٹس اور جولیس سیزر شامل ہیں۔

مارکس بروٹس

مارکس بروٹس، رومن جنرل، شیکسپیئر کے "جولیس سیزر" کے خلاف سازش کرنے والوں میں سے ایک۔ اگرچہ وہ سیزر کا دوست اور عزت دار آدمی ہے، بروٹس سیزر کی زندگی کے خلاف سازش میں شامل ہو جاتا ہے، اپنے آپ کو یہ باور کراتا

ہے کہ سیزر کی موت روم کی عظیم تر بھلائی کے لیے ہے۔ سیزر نے بروٹس کے چاقو کے نوک پر، مرتے ہوئے یہ مقولہ سنایا"Et tu, Brute"?اور گر پڑا۔ (۵)

مارک انتونی

انٹونی کو جولیس سیزر میں ایک وفادار دوست اور عظیم ہیرو کے طور پر پیش کیا۔ بروٹس کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد سیزر کے آخری رسومات انٹونی ادا کرتا ہے۔ ڈراما انٹونی اور کلیوپیٹرا میں انتونی کو ایک المناک شخصیت کے طور پر پیش کرتا ہے جو کلیوپیٹرا کی خوشیوں کو ترک کرنے سے گریزاں ہے یہاں تک کہ گھر میں ہونے والے واقعات سے اس کی سیاسی حیثیت اور اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔(۶)

مارک انتونی اور بروٹس کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> "یوں تو ہم یو۔بی ایل کے پریسیڈنٹ تھے مگر وہ ہمیں اس زمانے میں "سر" اس طرح کہتے تھے جیسے مارک انٹونی بروٹس کے بارے میں بار بار کہتا ہے:
>
> And Brutus is an honorable man.
>
> بہر حال یہ بھی ان کی دلآویز ادا ہے جس کے ہم شیدائی ہیں۔"(۷)

شکسپیئر جولیس سیزر میں لکھتے ہیں:

> Yet Brutus says he was ambitious,
>
> And Brutus is an honorable man (۸)

دراصل یہ جملہ جولیس سیزر کی وفات کے بعد انٹونی کے اس تقریر سے لیا گیا ہے؛ جو وہ اس کی قبر پر کر رہا تھا۔ اس وقت مارک انتونی نے سیزر کے تمام دشمنوں اور بالخصوص بروٹس کی بھرپور مذمت کی تھی۔ بروٹس چونکہ خود کو سیزر کا دوست ثابت کرنا چاہتا تھا، لیکن دوستی میں بروٹس ہی نے ان کو قتل کیا تھا۔ چونکہ انٹونی کو اس پر شک تھا اس لیے وہ بار بار طعنے کے طور پر کہہ رہا تھا:

> And Brutus is an honorable man.

یوسفی کہتے ہیں کہ یو بی ایل کے صدر ہوتے ہوئے لفظ "سر" میرے لیے کوئی عجیب نہیں تھا لیکن سلیم صدیقی تعظیم کے بجائے کسی اور معنی میں اس لفظ کو استعمال کر رہا تھا۔

جولیس سیزر کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> "اب دیکھنا یہ ہے کہ ایک نہایت زیرک و پختہ کار بیوروکریٹ جو بلاشبہ یکے از ادا و خطاشناسانِ اولوالامر ہونے کے علاوہ طلّاز و طبّاع ادیب بھی ہے، زیر تصنیف مقامات آہ و فغاں اور کار ہائے سرکاری کی واہ واکے pitfalls (گپت گڑھوں) سے اپنے قلم اور دم قدم کی خیر مناتا کیسے گزرتا ہے

۔اور Decade of Decadence(عشرۃ انحطاط) کی داستانِ پُرفتن جی کڑا کر کے کیسے رقم کرتا ہے۔اس کی آفریں و نفرین کے سزاوار کون ہیں؟ یا

The fault dear Brutus is not in our stars

But in ourselves that we are underlings

Julius Caesar(۹)."

یہ حوالہ انھوں نے شکسپیئر کے ڈرامہ جولیس سیزر(۱۶۲۳ء) سے لیا ہے(جس کا تعارف پہلے ہو چکا ہے)۔ شکسپیئر لکھتے ہیں:

CASSIUS

Why, man, he doth bestride the narrow world

Like a Colossus, and we petty men

Walk under his huge legs, and peep about

To find ourselves dishonorable graves.

Men at some times are masters of their fates;

The fault, dear Brutus, is not in our stars,

But in ourselves, that we are underlings.(۱۰)

یہ الفاظ شیکسپیئر کے ڈرامے، جولیس سیزر، ایکٹ I ، سین II سے لیے گئے ہیں۔اس جملے میں Cassius, Brutus سے مخاطب ہوتا ہے، تاکہ اسے جولیس سیزر کی معزولی میں حصہ لینے پر آمادہ کرے کیونکہ بروٹس، سیزر کی دوستی کی وجہ سے اس کی مخالفت سے ہچکچا رہا ہے۔Cassius کا مطلب ہے کہ بعض اوقات لوگوں کو ایسے اقدامات کرنے پڑتے ہیں جو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ نہیں کر سکتے۔Cassius کہتا ہے کہ میرے محترم! خطا ہمارے رہنماؤں میں نہیں بلکہ ہم میں ہے کہ ہم کمزور ہیں اور اپنے حق کے لیے لڑتے نہیں۔یوسفی کہتا ہے کہ ہر جائز و ناجائز کام کی تعریف کرنے والے اگرچہ بڑے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ بڑے نہیں ہوتے بلکہ ہم کم زور ہوتے ہیں کہ ان کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

جولیس سیزر سے ایک اور حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

جولیس سیزر

"ہر سالگرہ ہماری عینک کے نمبر اور بے دلی میں اضافہ کرتی ہے اور ہمیں ہر شے میں ایک تازہ دراڑ پڑی نظر آتی ہے۔ مگر تم ہو کہ آج بھی ستاروں پہ کمند ڈالنے کا حوصلہ رکھتے ہو۔بولے۔شکریہ! نطشے کا فیضان ہے۔ ہم نے کہا مگر ہمارا مطلب فلمی ستاروں سے تھا! فوراً شکریہ واپس لیتے ہوئے فرمایا"

EtTu ,Brutus?..(۱۱)

EtTu, Brutus? کا حوالہ یوسفی نے شکسپیئر کے ڈرامہ جولیس سیزر سے لیا ہے۔ یہ الفاظ وہاں Et tu, Brute? مستعمل ہیں۔جب بروٹس، سیزر کے ساتھ غدّاری کرتا ہے۔ قتل کرتے وقت جب سیزر کو پتہ چلتا ہے تو یہ جملہ بولتا ہے۔

"Caesar: Et tu, Brute?"(۱۲)

یعنی کہ "تم بھی بروٹس! یوسفی نے یہ الفاظ انھی معنوں میں استعمال کیے ہیں۔ جس طرح سیزر انتہائی لاچاری میں اپنے ایک بااعتماد دوست کے لیے بول چکا تھا۔

کنگ لیئر *king lear*

کنگ لیئر شکسپیر کا تحریر کردہ ڈرامہ ہے، جو انھوں نے ۱۶۰۵ء کو لکھا تھا، اور ۱۶۰۶ء کو سٹیج کر کے ۱۶۰۸ء میں شائع کیا تھا۔ اس ڈرامے کی بنیاد بادشاہ لیئر کے اس تاریخی واقعے پر ہے۔ جب بادشاہ اپنی بیٹیوں سے پوچھتا ہے کہ آپ مجھے کتنا چاہتی ہیں۔ بڑی دو بہنیں بناوٹی باتیں کر کے بادشاہ کا دل بہلاتی ہیں جبکہ سب سے کمسن بیٹی کہتی ہے کہ میں اپنی محبت کو بیان نہیں کر سکتی۔ جس پر بادشاہ خفا ہوتے ہیں اور اپنی تمام بادشاہی دونوں بڑی بیٹیوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ بادشاہی ملنے کے بعد دونوں بیٹیاں لیئر سے ناروا سلوک کرتی ہیں مجبوراً بادشاہ چھوٹی بیٹی کارخ کرتا ہے وہ فرانسیسی فوج کو ساتھ لے کر اپنی بہنوں کو شکست دینے آجاتی ہے، لیکن بدقسمتی سے کورڈیلیا اور لیئر پکڑے جاتے ہیں۔ کورڈیلیا کو پھانسی دی جاتی ہے۔ لیئر کورڈیلیا کی موت کے بارے میں جان کر صدمہ برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتا اور وہ بھی مر جاتا ہے۔(۱۳)

اس ڈرامے کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> "ملازم تو اپنی محبت اور تابعداری کا اقرار بھی Cordelia کی طرح تِک کر، مگر نپے تُلے انداز سے کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔
>
> I love your majesty King Lear According to my bond; nor more nor less. (۱۴)

شکسپیئر کنگ لیئر میں لکھتے ہیں:

> CORDELIA: Nothing.
>
> LEAR: Nothing will come of nothing. Speak again.
>
> CORDELIA: Unhappy that I am, I cannot heave My heart to my mouth. I love your majesty According to my bond no more nor less. (۱۵)

یہ مکالمہ کنگ لیئر کے اس ایکٹ سے لیا گیا ہے جب بادشاہ کارڈیلیا سے پوچھتا ہے کہ تم مجھ سے کس قدر پیار کرتی ہو، کارڈیلیا کہتی ہے میں بے حد اداس ہوں، میں اپنے دل کی بات زبان پر نہیں لا سکتی۔ میں آپ کی عظمت سے اس قدر محبت کرتی ہوں جتنا کہ میرے رشتے کا تقاضا ہے، نہ زیادہ نہ کم۔ کہ میں اپنے احساسات بیان نہیں کر سکتی اور نہ مال دولت کے لیے جھوٹ کا سہارا لے سکتی ہوں۔

یوسفی بیان کرتے ہیں کہ ملازم انتہائی حد تک محکوم ہوتا ہے اور ان کے لیے کسی بھی کام میں ناں کہنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کوئی بھی ملازم اپنی محبت اور تابع داری کا اظہار بھی نہیں کر سکتا، جس کی وجہ سے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔

میکبتھ *Macbeth* (۱۶۲۳ء)

میکبتھ، پانچ ایکٹ پر مشتمل المیہ ڈرامہ، انگریزی ڈرامہ نگار اور شاعر ولیم شیکسپیئر نے لکھا۔ پہلی بار تقریباً ۱۶۰۶ء میں سٹیج کیا گیا، اور ۱۶۲۳ء کو شائع ہوا۔ اس ڈرامے کا بنیادی ماخذ انگریز تاریخ نگار Raphael Holinshed کی Chronicles of England, Scotland, and Ireland (۱۵۷۷) تھا۔ ڈرامے کا ٹائٹل رول اسکاٹ لینڈ کے کنگ میکبتھ کے کیریئر پر مبنی ہے۔ کنگ ڈنکن I کے ماتحت ایک کمانڈر، میکبتھ نے ۱۰۴۰ء میں ڈنکن کو قتل کر دیا اور خود بادشاہی کا دعویٰ کیا۔ ۱۷ سال کی حکمرانی کے بعد، میکبتھ کو ڈنکن کے بیٹے میلکم نے قتل کر دیا، جو بعد میں بادشاہ میلکم III بنا۔ (۱۶)

میکبتھ کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> "وہ سارا مسودہ دیکھ چکیں تو میں نے کہا" راجستھانی لہجہ اور محاورہ کسی طرح میرا پیچھا نہیں چھوڑتے ۔بہت دھوتا ہوں پر چُڑی کے رنگ چُھٹائے نہیں چھوٹتے۔
>
> Out, damned spot! out, I say!
>
> شیکسپیئر۔ بادشاہ کو قتل کروانے کے بعد لیڈی میکبتھ عالم خواب میں اپنے ہاتھ پر اس کے خون کا دھبا دیکھ کر اسے چھٹانے کی کوشش کرتی ہے، مگر وہ ہے کہ کسی طرح چھوٹ کر نہیں دیتا۔ (۱۷)

یہ حوالہ انھوں نے شکسپیئر کے ڈرامے میکبتھ کے ایکٹ ۵ سین سے لیا ہوا ہے۔ شکسپیئر لکھتے ہیں:

> **"Doctor**
>
> Hark! she speaks: I will set down what comes from her, to satisfy my remembrance the more strongly.
>
> **LADY MACBETH**
>
> Out, damned spot! out, I say! --One: two: why, then, 'tis time to do It.--Hell is murky! --Fie, my lord, fie! a soldier, and afeard? What need we fear who knows it, when none can call our power to account? --Yet who would have thought the old man to have had so much blood in him." (۱۸)

میکبتھ کا ایک اور حوالہ کچھ اس طرح دیا گیا ہے:

"قتل میں عجلت کی فضیلت پر اس نے اپنے "فیورٹ کریکٹر "میکبتھ کا قول دہرایا (اسکول کے اسٹیج پر میکبتھ کے رول میں وہ خود کو کئی مرتبہ کامیابی کے ساتھ قتل کروا چکا تھا):

If it were done when' tis done, then 'twere well

if it weredone quickly ...(۱۹)

اصل مکالمہ ڈراما *MACBETH* (۱۶۲۳ء) میں اس طرح موجود ہے۔ شکسپیئر لکھتے ہیں:

"MACBETH

If it were done when'tis done, then 'twere well

It were done quickly."(۲۰)

یہ الفاظ میکبتھ کی اس سرگوشی کے ہیں جب وہ محل کے ایک کمرے میں اس بات پر غور کرتا ہے کہ آیا وہ ڈنکن کا قتل کر سکتا ہے، بادشاہ ڈنکن کو قتل کرنے اور اسکاٹ لینڈ کے تخت پر قبضہ کرنے کے منصوبے کو مکمل کرنا ہے۔ میکبتھ نے اپنی بات کا آغاز یہ کہتے ہوئے کیا کہ اگر ڈنکن کو قتل کرنے کا عمل واقعی اس کا خاتمہ ہو گا اور اس کے کوئی نتائج برآمد نہیں ہوں گے تو بہتر ہے کہ اسے جلد از جلد ختم کر دیا جائے۔

میکبتھ سے ایک اور حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"یہ سنتے ہی بیگم نے کتے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور زنجیر ایسے فیصلہ کن جھٹکے کے ساتھ ہمارے ہاتھ سے چھین لی جیسے لیڈی میکبتھ نے میکبتھ کے ہاتھ سے خنجر چھینا تھا:

Infirm of purpose!

Give me the Dagger...." (۲۱)

اس ڈرامے میں متعلقہ حوالے کی گفتگو کچھ یوں ہے:

"LADY MACBETH

Who was it that thus cried? Why, worthy thane, you do unbend your noble strength to think So brainsickly of things. Go get some water and wash this filthy witness from your hand. Why did you bring these daggers from the place? They must lie there. Go, carry them and smear the sleepy grooms with blood.

MACBETH

I'll go no more.

I am afraid to think what I have done. Look on 't again I dare not.

LADY MACBETH

Infirm of purpose! Give me the daggers. The sleeping and the dead Are but as pictures. 'Tis the eye of childhood That fears a painted devil. If he does bleed, I'll gild the faces of the grooms withal, for it must seem their guilt." (۲۲)

یوسفی میاں بیوی کے درمیان ایک مکالمہ بیان کرتے ہیں جہاں میاں اپنی بیوی کو کتے کے فوائد میں ایک فائدہ یہ بتاتا ہے کہ اس کتے سے بچے انگریزی سیکھ لیں گے؛ جس پر بیوی اس کے ہاتھ سے کتے کی زنجیر چھین لیتی ہے۔

انٹونی اینڈ کلوپیٹرا Antony and Cleopatra (1623)

یہ کہانی مارک انٹونی، اور کلئوپیٹرا کی محبت کی داستان ہے۔ انٹونی کو اپنی بیوی فلویا کی موت پر روم بلا لیا جاتا ہے، جس نے ان کے ساتھی تریو مویر آکٹاویئس کے خلاف کھلم کھلا مخالفت کی تھی۔ انٹونی سیاسی اختلافات کو دور کرنے کے لیے آکٹاویئس کی بہن آکٹاویا سے شادی کر لیتا ہے، جس پر کلئوپیٹرا ناراض ہو جاتی ہے۔ انٹونی دوبارہ کلئوپیٹرا کے پاس چلا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے آکٹاویئس اور انٹونی کی دشمنی جنگ میں بدل جاتی ہے اور آخر کار آکٹاویئس انٹونی کو شکست دیتا ہے۔ کلئوپیٹرا اپنی خودکشی کی جھوٹی خبر بھیجتی ہے، جس پر انٹونی خود کو زخمی کر لیتا ہے۔ یہ خبر کلوپیٹرا تک پہنچ جاتی ہے تو وہ خبر دینے والے کو کہتی ہے کہ اگر یہ سچ ہے، تو اس نے اپنے آپ کو ہی نہیں بلکہ اس کی (کلوپیٹرا کی) زندگی بھی ختم کر دی ہے۔ کلوپیٹرا پیغام رساں کو کہتی ہے کہ اگر تم مجھے بتاؤ کہ وہ زندہ ہے اور پکڑا نہیں گیا تو میں تمھیں ڈھیر سارا مال و دولت اور سب سے بڑھ کر بادشاہوں کی محبت کے مستحق ہاتھ چومنے کے لیے دوں گی۔ جسے چومتے ہوئے بادشاہ بھی کانپ اٹھتے تھے ۔انٹونی کو ان کے سپاہی زخمی حالت میں کلوپیٹرا کے چھپنے کی جگہ لے جاتے ہیں، اور وہ اس کی بانہوں میں مرتا ہے۔ رومی فتح سے بچنے کے بجائے، کلئوپیٹرا ایک زہریلے سانپ کو انجیر کی ٹوکری میں منگوا کر خودکشی کر لیتی ہے۔

انٹونی اور کیلوپیٹرا Antony and Cleopatra (1623) ڈرامے سے حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"بیورو کریسی ایسی قلوپطرہ ہے جسے ہر سیزر اور انٹونی کی دلداری پوری سپردگی اور تن دہی سے کرنی پڑتی ہے۔ وہ باری باری ہر سیزر دوراں کو آنکھوں پر بٹھاتی ہے۔ پھر اسے بستر خجالت پہ ڈال کے سرخ فیتے سے مشکیں کس دیتی ہے! اس کی ادائے سپردگی میں بھی ایک فاتحانہ شان ہوتی ہے۔ جب وہ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھاتی ہے تو وہ جانتی اور جتلاتی ہے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے بڑے بڑے لرزانندانِ جہاں کو ٹھکانے لگا دیا:

"My bluest vein to kiss; a hand that kings Have lipped, and trembled kissing."

(Shakespeare, Antony and Cleopatra, Act 2 Scene 5)

ماتحت کہلاتے ہوئے بھی وہ سب سے زیادہ فرمانبردار فرمانروا ثابت ہوتی ہے۔(۲۳)

Antony and Cleopatra میں اصل متن بھی اسی طرح ہے۔

"CALOPITRA

Antonio's dead! If thou say so, villain,

Thou kill's thy mistress. But well and free,

If thou so yield him, there is gold, and here

My bluest veins to kiss, a hand that kings

Have lipped and trembled kissing.(۲۴)"

اردو کا شکسپیئر آغا حشر کاشمیری

اردو ڈرامہ میں آغا حشر کاشمیری (۱۸۷۹ء۔۱۹۳۵ء) اولین اور مشہور ڈرامہ نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں اور ان کے متعلق یہ قول مشہور ہے کہ "آغا حشر کاشمیری اردو کے شکسپیئر" ہیں۔ آغا حشر کاشمیری کے مداحین ان کو اردو کے کے شکسپیئر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انھوں نے شکسپیئر کے متعدد ڈراموں کو یا تو ہو بہو ترجمہ کیا اور یا اس کے پلاٹ کو ہندوستانی جامہ پہنا کر پیش کیا ہے۔ اس کے متعلق ارتضیٰ کریم لکھتے ہیں: انھوں نے شکسپیئر کے ڈرامے The winter's tale کے پلاٹ پر ۱۸۹۹ء میں "مرید شک" لکھا۔ ۱۹۰۲ء میں the major for majors کو شہید ناز عرف اچھو تا دامن کے نام سے ترجمہ کیا، ۱۹۰۸ء میں king Lear کو سفید خون کے نام سے ترجمہ کیا اور میکھ بیتھ کو فریبِ ہستی کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔(۲۵)

یہی وجہ ہے کہ ان کے مداحین ان کو اردو کے شکسپیئر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن مشتاق احمد یوسفی اس قول سے نہیں کرتے اس طرح بی بی رضا خاتون بھی یوسفی کے موقف کی تائید کر کے لکھتی ہے: آغا حشر کاشمیری اگرچہ اردو ڈرامہ میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں لیکن کسی تقابلی مطالعے یا تجزیاتی موازنے کے بغیر انھیں اردو کا شکسپیئر قرار دینا درست نہیں اس فقرے میں کسی قسم کی فنی خصوصیات یا مماثلتوں کا عمل دخل نہیں ہے صرف مقبولیت کے بناء پر انھیں ایک دوسرے کے مماثل قرار دیا جاتا ہے۔(۲۶)

یوسفی لکھتے ہیں:

"پہلے "منیجر کمپنی ہذا' نے ناظرین با تمکین کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اعلان کیا کہ "اب مسٹر ولیم شیکسپیئر مرحوم کا ڈرامہ رومیو جولیٹ بمعہ چار کتھک رقص پیش کیا جائے گا۔ مسٹر ولیم شیکسپیئر مرحوم انگریزی ڈرامہ کے آغا حشر کاشمیری مرحوم ہیں۔(ہمیں تو آج تک ان دونوں میں مرحوم ہونے کے علاوہ کوئی اور بات مشترک نظر نہ آئی۔)"(۲۷)

موپساں(۵/ اگست، ۱۸۵۰ء-۶ جولائی ۱۸۹۳ء)کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"پھر موپساں کے ایک افسانے کا ہیرو اگر یہ دعویٰ کرے کہ وہ زردے کی بو سے یہ بتا سکتا ہے کہ مرغی نے کیا کھایا تھا، تو یہ اچھنبے کی بات نہیں۔ خود ہمارے ہاں ایسے ایسے لائق قیافہ شناس دال روٹی پر جی رہے ہیں جو ذرا سی بوٹی چکھ کے نہ صرف بکری کے چارے بلکہ چال چلن کا بھی مفصل حال بتا سکتے ہیں۔"(۲۸)

موپساں کے افسانوی مجموعے *When The Chickens Grow Teeth(1890)* میں مرغی کے انڈے کو ایک اہم علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ انڈے کا تصور زندگی، ممکنات، اور مستقبل کی امید کی عکاسی کرتا ہے۔ کہانی میں انڈے کی خصوصیات اور اس کے گرد ہونے والے واقعات انسانی زندگی کی پیچیدگیوں کو واضح کرتے ہیں۔ موپساں کے افسانے میں ایک کردار انڈے کی زردی کا تجزیہ کرکے یہ بتاتا ہے کہ مرغی نے کیا کھایا ہے۔ اس سیاق و سباق میں، کردار زردی کے رنگ اور اس کی حالت کو دیکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ مرغی کی خوراک کیا تھی، جیسے کہ اگر زردی گہری اور چمکدار ہو تو اس کا مطلب ہے کہ مرغی نے صحت مند خوراک کھائی ہے۔ یوسفی اپنے سماج میں ایسے لوگوں کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں جو صرف قیاس آرائی پر انحصار کرتے ہیں۔

کارلائل(۱۷۹۵ء-۱۸۸۱ء)کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"اچانک مرزا بولے کہ یار! یہ بڑے آدمی مر کے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں میں نے کہا"کارلائل کا قول ہے کہ تاریخ مشاہیر کی سوانح عمری ہے"(۲۹)

اسی طرح کارلائل لکھتے ہیں:

"In all epochs of the world's history, we shall find the Great Man to have been the indispensable savior of his epoch; —the lightning, without which the fuel never would have burnt. The History of the World, I said alreadyHistory was theBiography of Great Men."(۳۰)

دونوں مصنفین کے سیاق وسباق کا مطالعہ کیا جائے تو دونوں نے ایک جیسے موقع محل میں الفاظ کہے ہیں۔

سیموئل جانسن(۱۸ ستمبر، ۱۷۰۹ء-۱۳ دسمبر ۱۷۸۴ء)کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"بابائے انگریزی ڈاکٹر سموئل جانسن کا یہ قول دل کی سیاہی سے لکھنے کے لائق ہے کہ جو شخص روپے کے لالچ کے علاوہ کسی اور جذبے کے تحت کتاب لکھتا ہے، اس سے بڑا احمق روئے زمین پر کوئی نہیں۔ ہمیں بھی اس کلیے سے حرف بہ حرف اتفاق ہے بشرطیکہ کتاب سے مراد وہی ہے جو ہم سمجھے ہیں، یعنی چیک بک یا روکڑ بہی۔"(۳۱)

اسی طرح سموئل جانسن اپنی آپ بیتی *Boswell's Life of Johnson (1823)* میں لکھتے ہیں:

"No man but a block-head ever wrote, except for money." (۳۲)

اعترافات (۱۷۶۵ء) (*The Confession*)

اعترافات *the confession* ژاں جیکس روسو، (۲۸ جون ۱۷۱۲ء-۲ جولائی ۱۷۷۸ء)۔ کی خود نوشت سوانح عمری ہے جو ۱۷۶۵ء کو شائع ہوئی۔ روسو اور ان کے افکار کو سمجھنے کے لیے ان کی خود نوشت اعترافات بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے سچائی کے ساتھ اپنی زندگی کے تمام واقعات کا ذکر کیا ہے۔ اعترافات کے متعلق احمد عقیل روبی (۶/ اکتوبر ۱۹۴۰ء-۲۳ نومبر ۲۰۱۴ء) لکھتے ہیں: اعترافات کو پڑھے بغیر روسو کی بچپن، جوانی، مختلف سفر، پیرس کا سماجی ماحول اور اس کی ازدواجی زندگی کو سمجھنا انتہائی مشکل ہے۔ اس کتاب میں روسو کی زندگی اس کے افکار، بدلتے ہوئے رویّے، دوستوں سے اٹھک بیٹھک سب کچھ اس میں شامل ہیں۔ روسو جو کچھ تھے عین اسی طرح انھوں نے خود کو پیش کیا ہے۔ روسو کی اس کتاب میں دو چیزیں بڑی شدّت سے پیش کی گئی ہیں ایک اس کی اپنی مشکلات و مصیبتیں اور دوسری بے شمار خوبصورت عورتیں۔ (۳۳)

روسو کا حوالہ دیتے ہوئے مشتاق احمد یوسفی لکھتے ہیں:

> "رہا ہمارا معاملہ، تو ابھی ہم روسو کی طرح اتنے بڑے آدمی نہیں ہوئے کہ اپنے اوپر علانیہ فسق و فجور کی تہمت لگانے کے بعد بھی اپنے اور پولیس کے درمیان ایک باعزت فاصلہ قائم رکھ سکیں"۔ (۳۴)

روسو اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اپنی زندگی کے متعلق تمام اہم واقعات، زندگی کی مشکلات و مصیبتیں اور بے شمار خوبصورت عورتوں کو بلا تامل بیان کر چکا ہے لیکن باوجود اس اقرار کے پولیس یا کوئی اور انتظامیہ اسے کچھ نہ کہہ سکا۔

رڈیارڈ کپلنگ Rudyard Kipling (۱۸۶۵ء-۱۹۳۶ء) حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> سرخی جمائی ہے کہ میں بینک میں سفید ہاتھوں کا سرغنہ ہوں! میں سفید بے شک ہوں، مگر قدرت نے مجھ سونڈ نہیں بخشی کہ اس میں لپیٹ کر لطیفی کو زمین پر پٹخنیاں دوں۔ گنگا دین" میں رڈیارڈ کپلنگ نے کیا کہا تھا؟

An for all, is dirty, "ide"

E was white, clear white, inside (۳۵)

رڈیارڈ کپلنگ کی نظم "گنگا دین" کا اصل متن ہے:

"'E would dot an' carry one
Till the longest day was done;
An' 'e didn't seem to know the use o' fear.

If we charged or broke or cut,

You could bet your bloomin' nut,

'E'd be waitin' fifty paces right flank rear.

With 'is mussick on 'is back,

'E would skip with our attack,

An' watch us till the bugles made 'Retire,'

An' for all 'is dirty 'ide

'E was white, clear white, inside

When 'e went to tend the wounded under fire!

It was 'Din! Din! Din!'

With the bullets kick in' dust-spots on the green.

When the cartridges ran out,

You could hear the front-ranks shout,

'Hi! ammunition-mules an' Gunga Din!" (۳۶)

گنگا دین ایک ایسے ہندوستانی کی روداد ہے جو ایک عام سپاہی کی حیثیت سے بلا خوف اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ یوسفی نے جو نکتہ اٹھایا ہے وہ اس نظم کا مرکزی حوالہ ہے؛ جس سے ہندوستان میں ہندوستانیوں کے استحصال کا اندازہ ہوتا ہے۔ نظم میں موجود سپیکر گنگا دین کا حوالہ دے کر کہتا ہے کہ یہ گنگا دین اپنی گندی جلد کے باوجود اندر سے بالکل سفید ہے۔

پک وک پیپرز *Pickwick papers*

Pickwick papers چارلس ڈکنز کے ناول کا پورا نام *posthumous papers of the pickwick club* ہے۔ یہ پہلی بار ۱۸۳۶ء سے ۱۸۳۷ء تک سلسلہ وار Boz کے نام سے چھپتا رہا اور ۱۸۳۷ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ کہانی ۱۸۲۷ء میں شروع ہوتی ہے؛ جب سیموئیل پک وِک نے پک وِک کلب کی تخلیق اس مقصد کے ساتھ کی کہ وہ سفر کرنے کے بارے میں سیکھے اور پھر دوسروں کو ثقافتی اور سائنسی علم سے آگاہ کرے۔ وہ روچیسٹر سے شروع ہونے والے، لندن کے آس پاس کے علاقوں کا سفر کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ Pickwickian کے سفر کے آغاز میں، مسٹر پک وِک اپنے ڈرائیور اور گھوڑے کے بارے میں نوٹس لینا شروع کر دیتا ہے۔ ایک اور کردار کیبی سوچتی ہے کہ یہ لوگ مخبر ہیں وہ لوگوں کو جمع کرتی ہے جو انھیں غدّار ٹھہراتے ہیں۔ یہاں پک وک کو پہلی ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے آگے جاتے ہوئے ان پر مختلف الزامات لگائے جاتے ہیں جن میں سے ایک بھی ثابت نہیں کیا جاتا۔ پک وک کی سب سے بڑی ناکامی اس کا کلب جسے انھوں نے سائنس کی تلاش کا منصوبہ بنایا تھا لیکن انھوں نے جلد ہی اپنے ایڈونچر کو ذاتی بنالیا۔ شادی اور تفریح پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے کلب سچائی کی بجائے خوشی پر توجہ مرکوز کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ (۳۷)

چارلس ڈکنز(۷ فروری ۱۸۱۲ء-۹ جون ۱۸۷۰ء)کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"ایسی دو تین فہرستوں کا دیدہ ریزی سے مطالعہ کرنے کے بعد کھلا کہ سر کا خطاب بھی اس کی ایک دل پسند فینٹسی (FANTASY) ہے کبھی کبھی اس پر ڈکنس کے پک وک پیپرز کے ہیرو کا گمان ہوتا۔ ہمیشہ ناکام و نامراد، پر سدا پر امید اور پیار کے قابل، آرزو کے اس چمن میں خزاں کا گزر کہاں، اس لئے کہ اس کی آبیاری تو وہسکی سے ہوئی تھی۔"(۳۸)

فرانسس بیکن Francis Bacon(۲۲ جنوری ۱۵۶۱ء-۹/ اپریل ۱۶۲۶ء)کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بہر حال محنت کر کے اپنے زور بازو سے باعزت طریقے سے فیل ہونا نقل کر کے پاس ہ ہونے سے بدر جہا بہتر ہے۔ کسی نے ان ہی کتابوں کے بارے میں بیکن کا مشہور مقولہ سنایا جو ان کے دل کو بہت بھایا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بیکن کا یہ انشائیہ ان کے کورس میں شامل تھا اور اسے انھوں نے فضول سمجھتے ہوئے کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ وہ کوٹے شن" آپ کو تو یاد ہو گا، کچھ اس طرح ہے کہ بعض کتابیں صرف چکھی جانی چاہیں۔ کچھ کو نگل جانا چاہیے۔ کچھ اس لائق ہوتی ہیں کہ آہستہ آہستہ، چبا چبا کے ہضم کی جائیں۔ اور کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جنھیں کسی عوضی سے پڑھوا کر خلاصہ بنوالینا چاہیے۔"(۳۹)

یہ حوالہ انھوں نے بیکن کی کتاب "BACON'S ESSAYS" کے مضمون "Of Studies" سے لیا ہے بیکن لکھتے ہیں:

"Read not to contradict and confute; nor to believe and take for granted; nor to find talk and discourse; but to weigh and consider. Some books are to be tasted, others to be swallowed, and some few to be chewed and digested; that is, some books are to be read 1 only in parts; others to be read, but not curiously; and some few to be read wholly, and with diligence and attention."(۴۰)

اسی طرح جی۔ کے چیسٹرٹن G. K. Chesterton(۲۹ مئی ۱۸۷۴ء-۱۴ جون ۱۹۳۶ء)کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملا عاصی نے اس قول فیصل میں اتنی اصلاح اپنی طرف سے کی کہ اگر سب نہیں تو بیشتر کتابیں اس لائق ہوتی ہیں کہ سونگھ کر ایسوں کے لیے چھوڑ دی جائیں جو کہ ناک نہیں رکھتے۔ صاحب! ناک پر آپ نے اس دن بیچ لگژری ہوٹل والے فنکشن میں کمال نظم "کوٹ" کی۔ مگر حاضرین میں مجھ جیسے دو چار ہی ہوں گے جو یہ سمجھ پائے کہ آپ کا ہدف و مخاطب کون ہے۔ ایسے حملے سے دشمن کا تو کچھ نہیں بگڑتا، اپنا جی خوش ہو جاتا ہے۔ یاد ہیں کچھ لائنز؟

They haven't got no noses

The fallen sons of Eve"

The song of Qoodle-G.K. Chesterton(۴۱)

یہ چیسٹرٹن کی کتاب The Flying Inn میں موجود گیت "Song of The Car Club" سے لیا گیا ہے مکمل بند کچھ یوں ہے:

"They haven't got no noses
The fallen sons of Eve
Even the smell of roses
Is not what they supposes,
But more than mind discloses,
And more than men believe.

"They haven't got no noses,
They cannot even tell
When door and darkness closes
The Park a Jew encloses,
Where even the Law of Moses
Will let you steal a smell;(۴۲)

چیسٹرٹن کا ایک اور حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"جب سے ہم نے گدھے پر چیسٹرٹن کی معرکہ آرا نظم پڑھی ہم نے اس جانور پر ہنسنا اور اسے حقیر سمجھنا چھوڑ دیا۔ گیارہ برس لندن میں رہنے کے بعد ہم پر بالکل واضح ہو گیا کہ مغرب میں گدھے اور الو کو گالی نہیں سمجھا جاتا۔"(۴۳)

چیسٹرٹن کی اصل نظم کا متن یہ ہے:

"The Donkey
When fishes flew and forests walked
And figs grew upon thorn,
Some moment when the moon was blood
Then surely I was born." (۴۴)

فلپ آرتھر لارکن Philip Arthur Larkin (۹/ اگست، ۱۹۲۲ء- دسمبر ۱۹۸۵ء) کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

یوں لندن بہت دلچسپ جگہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی خرابی نظر نہیں آتی کہ غلط جگہ واقع ہوا ہے۔ تھوڑی سی بے آرامی ضرور ہے، مطلع ہمہ وقت ابر و کہر آلود رہتا ہے۔ صبح اور شام میں تمیز نہیں ہوتی۔ اس لیے لوگ AM اور P.M بتانے والی ڈائل کی گھڑیاں پہنتے

ہیں۔ موسم ایسا جیسے کسی کے دل میں بغض بھرا ہو۔ گھر اتنے چھوٹے اور گرم کہ محسوس ہوتا ہے کمرہ اوڑھے پڑے ہیں۔ پھر بقول ملک الشعرا فلپ لارکن یہ کیسی مجبوری کہ۔

Nowhere to go but indoors! " (۴۵)

یہ حوالہ انھوں نے فلپ لارکن کے شعری مجموعے *the less deceived (1955)* میں موجود نظم toads سے لیا ہے فلپ لارکن toads میں لکھتے ہیں:

Watching the bread delivered,
The sun by clouds covered,
The children going home;
Think of being them,

Turning over their failures
By some bed of lobelias,
Nowhere to go but indoors,
Nor friends but empty chairs -

No, give me my in-tray,
My loaf-haired secretary,
My shall-I-keep-the-call-in-Sir:
What else can I answer," (۴۶)

سیموئل ٹیلر کولرج Samuel Taylor Coleridge (۱۷۷۲ء-۱۷۹۵ء) کا ذکر یوسفی کے ہاں مندرجہ ذیل اقتباس میں آتا ہے:

وہ ایک دفعہ کہانی شروع کر دیں تو ان کا جملہ معترضہ اور غیر متعلق جزئیات بھی الگ اپنی کہانی سنانے لگتے ہیں۔ ہنکارا بھرنے کی مہلت بھی نہیں دیتے۔ مرزا ایسے شکنجے میں جکڑے جانے کو کہانی کاٹھ کہتے ہیں۔ کولرج کے Ancient Mariner نے جب اپنی آسیبی کہانی شروع کی تو شادی کے جشن اور دعوت میں جانے والا مہمان ایسا مسحور ہوا کہ شادی وادی سب بھول گیا۔ مبہوت کھڑا سنتا رہا۔ بس کچھ ایسا ہی احوال ہمارا بھی ہوا۔

He holds him with his glittering eye
The Wedding-Guest stood still,
And listens like a three year's child:
The Mariner hath his will (۴۷)

یہ کولرج کی نظم The Ancient Mariner سے لیا گیا بند ہے۔ اپنی سحر زدگی کی کیفیت کو نمایاں کرنے کے لیے یوسفی نے اس کا حوالہ دیا ہے:

"He holds him with his skinny hand,
"There was a ship," qouth he.
"Hold off! Unhand me, graybeard loon!"
Eftsoon his hand drops he.

He holds him with his glittering eye
The wedding-guest stood still,
And listen like a three year's child:
The mariner hats his will.
The wedding-guest sat on a stone;
He cannot choose but here;
And thus, spake on that ancient man;
The bright-eyed mariner" (۴۸)

اوڈیسی (۷۲۵-۶۷۵ قبل مسیح) Odyssey

اوڈیسی (رزمیہ نظم) قدیم یونانی شاعر ہومر سے منسوب ہے۔ یہ نظم اتھاکا کے بادشاہ اوڈیسیئس کی کہانی ہے جو ٹروجن جنگ کے بعد گھر جانے کی کوشش میں ۱۰ سال تک مختلف سمندروں، جزیروں اور مختلف علاقوں میں بھٹکتا رہا (حالانکہ نظم میں صرف آخری چھ ہفتوں کے واقعات ہیں)۔ اور جو بھی عورت اس کی راہ میں رکاوٹ بنتی رہی یہ اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرتا رہا جن میں کیلیفے (Circe)، کالیپسو (Calypso)، سیرن (Sirens)، نانکی (Nausikaa) اور سکولا (Scylla) شامل ہیں۔ واپسی پر وہ صرف اپنے وفادار کتے اور ایک نرس سے پہچانا جاتا ہے۔ (۴۹)

یوسفی، ہومر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> گویا دیس دیس اور شہر شہر ہی نہیں، بلکہ "خانہ بخانہ دربدر، کوچہ بہ کوچہ، کوبہ کو ان کا سفر جنسی فتوحات کی Odyssey بن جاتا ہے، جس میں مسافر ہر روز ہر عورت کو جو اس کا راستہ کاٹے اس کے کیفر (بد) کردار تک۔ یعنی اپنی آغوش تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ روز اک تازہ سراپا نئی تفصیل کے ساتھ۔۔۔ (۵۰)

یوسفی کہتے ہیں کہ کئی سفر نویسوں کے سفر ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جیسے ہی اپنے گھر سے نکلتے ہیں تو کئی ساری عورتیں ان کی منتظر ہوتی ہیں اور ان کا سفر خوشگوار بن جاتا ہے۔

میتھیو آرنلڈ (۲۴ دسمبر ۱۸۲۲ء-۱۵ اپریل ۱۸۸۸ء) Matthew Arnold کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> "شکست خوردہ انا اپنے لیے کہاں کہاں اور کیسی کیسی پناہیں تراشتی ہے، یہ اپنے اپنے ذوق، ظرف، تاب ہریت اور طاقت فرار پر منحصر ہے۔ تصوف، تقشف، مراقبہ، شراب،

مزاح، سیکس، ہیروئن، ویلیم، ماضی تمنائی فینٹسی (خواب نیم روز)۔ جس کو جو نشہ راس آجائے۔ آرنلڈ نے ہار جانے والے مگر ہار نہ ماننے والے، دھیان ڈھول میں لت پت مشرق کی ہار سہارے کے بارے میں لکھا تھا:

The East bow'd low before the blast

In patient, deep disdain

She let the legions thunder past

And plunged in thought again.(۵۱)"

یہ بند انھوں نے آرنلڈ کی نظم "*Obermann Onece More*" سے لیا ہے آرنلڈ لکھتے ہیں:

The brooding East with awe beheld

Her impious younger world.

The Roman tempest swell'd and swell'd,

And on her head was hurl'd.

"The East bow'd low before theblast

In patient, deep disdain;

She let the legions thunder past,

And plunged in thought again (۵۲)

. آرنلڈ ان اشعار میں کہتا ہے کہ مشرق خاموشی سے روم کو اس طرح دیکھ رہا ہے، جیسے وہ کسی بڑی تبدیلی یا چیلنج کا سامنا کر رہا ہو۔ رومی طاقت کی شدت مشرق میں زبردستی ہلچل مچا رہا ہے، جیسے یہ کسی قسم کی تباہی یا حملہ ہو۔ مشرق رومی قوت کے سامنے اپنی عظمت اور روایات کی حفاظت کے لیے صبر اور گہری حقارت سے ان طاقتوں کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ مشرقی دنیا یہ سب کچھ دیکھتی ہے لیکن دوبارہ اپنے اندرونی مسائل اور خیالات میں غرق ہو جاتی ہے، جو اس کی گہرائی اور فلسفیانہ فکر کی علامت ہے۔

Long Day's Journey into Night

Long Day's Journey into Night، یوجین او نیل (۱۶ اکتوبر ۱۸۸۸ء-۲۷ نومبر ۱۹۵۳ء) Eugene Gladstone O'Neill کے چار ایکٹ پر مشتمل ڈرامہ ہے جو ۴۱-۱۹۳۹ء میں لکھا گیا اور ۱۹۵۶ء میں پروڈیوس اور شائع ہوا۔ اس ڈرامے کو ۱۹۵۷ میں Pulitzer prize سے نوازا گیا۔ یہ ڈرامہ ایک جوڑے اور ان کے دو بیٹوں کی خوفناک زندگی کے ایک دن کی بکھرنے والی تصویر ہے۔ یہ ڈراما ایک ہی دن کے دوران وقوع پذیر ہوتا ہے جو ایک خاندان کی مشکلات اور تنازعات کو بیان کرتا ہے۔ یہ ڈراما ایک طویل دن میں پیش کیا گیا ہے۔ کہانی میں ایک دن کی تفصیلات، کرداروں کے ماضی، اور ان کے آپس کے تعلقات کی گہرائی کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ ڈراما بنیادی طور پر خاندان کے اندر کی کشیدگی، یادوں، اور ذاتی مشکلات کو اجاگر کرتا ہے، جو کہ اس ایک دن کے دوران ہی عیاں ہوتے ہیں۔(۵۳)

یولیسس Ulysses

یولیسس جیمز آگسٹین الوسیئس جوائس James Augustine Aloysius Joyce (۲ فروری ۱۸۸۲ء-۱۳ جنوری ۱۹۴۱ء) کی کتاب ہے جو ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں Dublin میں رہنے والے تین لوگ Leopold ۔Stephen Dedalus Bloom, اور اس کی بیوی Molly ہیں۔ یولیسس یونانی شاعر ہومر کی قدیم یونانی اوڈیسی کے مواد اور دس سالہ ٹائم فریم پر مبنی ہے۔ اس کا کردار مولی بلوم اپنے شوہر کے ساتھ وفادار نہیں ہے۔ یولیسس میں، جوائس نے تین کرداروں کی اندرونی اور بیرونی زندگی تقریباً ۱۸ گھنٹے کی مدت پر مشتمل کہانی میں پیش کی ہے، اس میں مختلف واقعات، خیالات، اور کرداروں کی باہمی تعاملات کو بہت تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، جو کہ انسانی تجربے کی گہرائی اور روزمرہ زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ یولیس پہلی بار امریکی ادبی میگزین The Little Review میں قسطوں میں شائع ہوا۔ پہلی چند قسطیں شائع ہونے کے بعد ۱۹۲۰ء کے آخر میں اس پر پابندی لگا دی گئی، لیکن پیرس، سلویا بیچ میں کتابوں کی دکان کے مالک نے بالآخر اسے ۱۹۲۲ میں شائع کیا۔ (۵۴)

گوگول، چیخوف، کلاڈ سیمون، پروست، جیمز جوائس اور یوجین اونیل کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> "جزئیات اگر محض خوردہ گیری پر مبنی نہیں، اور کچی اور جان دار ہیں تو اپنی کہانی اپنی زبانی کہتی چلی جاتی ہیں۔ انھیں توڑ مروڑ کر افسانوی سانچے ڈھالنے یا کسی آورشکنجے میں کسنے کی ضرورت نہیں ۔ گگول ، چیخوف اور کلاڈ سیمون زندگی کی چھوٹی چھوٹی جزئیات اپنے کینوس پر بظاہر بڑی لاپروائی سے بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔ پروست نے ایک پورا ناول ایک ڈنر پارٹی کی تفصیل بیان کرنے میں لکھ دیا جو یادوں کے total recall (مکمل باز آفرینی) کی بہترین مثال ہے۔ انگریزی کے عظیم ترین (بغیر پلاٹ کے) ناول Ulysses کی کہانی ۱۶ جون ۱۹۱۶ء کو صبح آٹھ بجے شروع ہو کر اس دن ختم ہو جاتی ہے۔ یوجین اونیل کے ڈرامے Long Days Journey Into Night کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہے"۔ (۵۵)

مولی بلوم Molly Bloom:

جیمز آگسٹین الوسیئس جوائس James Augustine Aloysius Joyce (۲ فروری ۱۸۸۲ء-۱۳ جنوری ۱۹۴۱ء) کا ناول یولیسس جو ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا۔ مولی بلوم اس کے تین مرکزی کرداروں میں سے ایک۔ کتاب کا آخری حصہ، مولی بلوم اور شوہر کے درمیان ایک بستر پر کی گئی گفت گو پر مشتمل ہے۔ (۵۶)

مولی بلوم کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> یعنی جب وہ گھوڑی پہ چڑھتا ہے تو بالکل تھانیدار لگتا ہے۔ مگر ہم گھوڑی پہ چڑھ کے بھی گھوڑی ہی لگتے ہیں۔ یعنی وہ گھوڑی جس پہ تھانیدار چڑھتا ہے میڈیا ہو یا ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کی دنیا، ہر دور میں ارباب اقتدار کے ایسے ثناء خوانوں کی کمی نہیں رہی جن کے ایجاب و قبول کا عالم جیمس جوائس کی Molly Bloom کی ہمہ تن سپردگی کی یاد دلاتا ہے۔

"He asked me with his eyes, yes, and with his hands, yes, and yes, I said, yes, I will, yes!

"خواتین وحضرات یہ تحلیل نفسی کا مسئلہ نہیں، تذلیل نفسانفسی کا کیس ہے"۔(۵۷)

اصل متن جو Ulysses کے آخری صفحہ پر موجود ہے وہ کچھ یوں ہے:

"I asked him with my eyes to ask again yes and then he asked me would I yes to say yes my mountain flower and first I put my arms around him yes and drew him down to me so he could feel my breasts all perfume yes and his heart was going like mad and yes I said yes I will Yes." (۵۸)

یہ الفاظ مولی کے Howth پر گزارے گئے دن کے ہیں جب مولی بلوم کی شادی کی تجویز قبول کر لیتی ہے۔ ان آخری سطروں میں مولی کی زبان کا ڈھیلا پن بھی مثالی، علامتی سطح کے ساتھ متن کی فوری حقیقت پسندانہ سطح کا امتزاج ہے۔ یہاں مولی کا "ہاں" (Yes) فطری زندگی، جسمانی اور جذباتی محبت کا ثبوت ہے۔

سیموئیل پیپس Samuel Pepys (۲۳ فروری ۱۶۳۳ء ۲۶ مئی ۱۷۰۳ء) **کی ڈائری**

سیموئل پیپس کی ڈائری "ڈچ شارٹ ہینڈ" (چھوٹے حروف یا علامتوں میں) میں لکھی گئی تھی۔ پیپس نے شارٹ ہینڈ کا استعمال اس لیے کیا تاکہ ان کی ذاتی معلومات اور خیالات کو محفوظ رکھا جا سکے، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اور ان کی ڈائری کو آسانی سے پڑھ سکے۔

آج کے محققین اور تاریخ دانوں کے لیے یہ ایک چیلنج ہے کہ وہ ان کی تحریر کو ڈی کوڈ کریں، لیکن یہ اس ڈائری کی انفرادیت اور اس کی تاریخی اہمیت کو بڑھاتی ہے۔ ان کی ڈائری میں زیادہ مزاحیہ اندراجات موجود ہیں۔ اس نے نہ صرف اپنی بڑی بے وفائیوں اور کمزوریوں کو درج کیا بلکہ اس نے سوچ اور طرز عمل کی تمام چھوٹی چھوٹی خامیوں کا احاطہ بھی کیا۔ اس ڈائری میں پیسے، اس کی حسد، اور اس کی ناانصافیوں کے بارے میں سب کچھ درج ہیں۔ اس کی ڈائری نہ صرف اس کی اپنی کمزوریوں بلکہ تمام بنی نوع انسان کی کمزوریوں کو پینٹ کرتی ہے۔(۵۹)

سموئل پیپس کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"لہٰذا انگریزوں کو کوئی آرٹسٹک یا ناشائستہ بات کہنی ہو تو جھٹ فرنچ فقرے کا گھونگھٹ نکال لیتے ہیں تمہیں تو معلوم ہو گا کہ سیمول پیپس (۱۷۰۳۔۱۶۳۳) نے اپنی شہرۂ آفاق ڈائری (جس میں اس نے اپنی آوارگیوں اور شبینہ فتوحات کا حال بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے) شارٹ ہینڈ میں لکھی تھی تاکہ اس کے ملازم نہ پڑھ سکیں۔"(۶۰)

نانا *Nana* (۱۸۸۰ء)

نانا، ایمیل زولا Emile Zola (۱۸۴۰ء-۱۹۰۲ء) کا تصنیف کردہ ناول ہے ؛جو ۱۸۸۰ء میں فرانسیسی زبان میں شائع ہوا۔ اس ناول کا کردار پیرس کی کچی آبادیوں میں پروان چڑھتا ہے۔اس کا ایک ناتجربہ کار اداکارہ کے طور پر ایک مختصر کیریئر ہے، اگرچہ وہ بے ہودہ اور جاہل ہے۔ نانا ایک تباہ کن جنسی کشش کی حامل ہے؛ جو کئی امیروں اور طاقتور مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اپنے چاہنے والوں کے جذبات کی بے دردی سے توہین کر کے نانا اپنی قسمت برباد کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سے لوگ برباد ہو جاتے ہیں اور یہاں تک کہ خودکشی کر لیتے ہیں۔(۶۱)

ایمیل زولا، لاٹریک اور ڈیگاس کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> "ذکر گناہ، عمل گناہ سے کہیں زیادہ لذیذ ہو سکتا ہے، بشرطیکہ طویل ہو اور راوی جسمانی اور معنوی دونوں لحاظ سے ضعیف ہو۔ ایملی زولا کی Nana، رسوا کی امراؤ جان ادا، ٹولوز لا ٹریک (Toulouse Lautrec) اور دیگا (Degas) کی کسبیوں اور قحبہ خانوں کی تصویریں جنسی حقیقت نگاری کے سلسلے کی پہلی کڑی ہیں۔"(۶۲)

چارلس لیمب Charles Lamb (۱۰ فروری ۱۷۷۵ء-۲۷ دسمبر، ۱۸۳۴ء) کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

> بے مثل انشائیوں کے مصنف چارلس لیمب نے ایک عمر کرب و تنہائی میں گزاری۔ پیر ۱۲ مئی ۱۸۰۰ء کو وہ کولرج کو اپنے خط میں لکھتا ہے گزشتہ جمعہ کو اپنی (ضعیف خادمہ) آٹھ دن کی علالت کے بعد چل بسی۔ اس کی میت اس وقت کمرے میں میرے سامنے رکھی ہے۔ میری (چارلس لیمب کی بہن جسے دیوانگی کے دورے پڑتے تھے) اس صدمے کی تاب نہ لا سکی اور اس پر شدید دورہ پڑا۔ لہذا اسے دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا۔ اب اس گھر میں، میں تنہا ہوں اور دوسرا تھ کے لیے ہیٹی کی نعش کے سوا اور کوئی نہیں۔(۶۳)

اسی طرح چارلس لیمب کولرج کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "Hetty died on Friday night, about eleven o'clock, after eight days' illness. Mary, in conse quence of fatigue and anxiety, is fallen ill again, and I was obliged to remove her yesterday. I am left alone in a house with nothing but Hetty's dead body to keep me company. To-morrow I bury her, and then I shall be quite alone, with nothing but a cat, to remind me that the house has been full of living beings like myself"(۶۴)

یوسفی کہتے ہیں کہ تنہائی کی تکلیف کا اندازہ ان لوگوں کو ہوتا ہے جو تنہائی سہہ چکے ہو چارلس لیمب کی طرح بڑا مصنف بھی کئی روز سے اپنی خادمہ کی نعش اس لیے اپنے ساتھ رکھتا ہے کہ اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔

ڈیلن تھامس Dylan Thomas (۲۷ اکتوبر ۱۹۱۴ء-۹ نومبر ۱۹۵۳ء) کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"کہتے ہیں جانوروں کو موت کا premonition (پیش آگاہی) ہو جاتا ہے۔ تو کیا جب وہ ویران پہاڑیوں میں لے جایا جارہا تھا تو اس نے بھاگنے کی کوشش کی؟ اور کبھی آخری لمحے میں معجزہ بھی تو ہو جایا کرتا ہے۔ وہ بہت جفاکش سخت جان اور حوصلے والا تھا۔ دل نہیں مانتا کہ اس نے آسانی سے موت سے ہار مانی ہوگی:

Do not go gentle into that good night.

Rage, rage against the dying of the light." (۶۵)

جبکہ ڈیلن تھامس لکھتے ہیں:

"Do Not Go Gentle into That Good Night

Do not go gentle into that good night,

Old age should burn and rave at close of day;

Rage, rage against the dying of the light.

Though wise men at their end know dark is right,

Because their words had forked no lightning, they

Do not go gentle into that good night." (۶۶)

Dylan Thomas

ڈیلن تھامس کی نظم "*Do Not Go Gentle into That Good Night*" کا موضوع زندہ رہنے کی جدوجہد اور موت کے خلاف مزاحمت ہے۔ اس نظم میں ضعیف العمر لوگوں کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ہمت نہ ہارنے اور موت کے اندھیرے کے خلاف لڑنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تھامس نے مختلف قسم کے لوگوں (عقلمند، بہادر، اور اچھے لوگوں) کی مثالیں دے کر یہ ظاہر کیا ہے کہ چاہے حالات کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں، ہر کوئی اپنی زندگی کا دفاع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ نظم انسانی جذبے، عزم، اور زندگی کی قدر کو اجاگر کرتی ہے، کہ ہمیں اپنی زندگی پورے جوش و خروش کے ساتھ گزارنی چاہیے، یہاں تک کہ موت کا سامنا کرتے وقت بھی۔

یوسفی ایک گھوڑے کے متعلق بات کرتے ہیں جسے ایک بد مزگی میں سزائے موت سنائی گئی ہے اور وہ گھوڑا بشارت کا پسندیدہ گھوڑا ہے۔ جسے سزا دینے کے لیے ایک پہاڑ پر لے جایا گیا تھا۔

Tears, adle tears (1847)

Alford Lord Tennnyson، Tears, adle tears (1847) (۶/اگست ۱۸۰۹ء-۶/اکتوبر ۱۸۹۲ء) کی نظم ہے جو اس کے شعری مجموعے *the princes* میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ نظم وقت کے گزرنے، دوستوں اور پیاروں کے کھو جانے پر شدید جذباتی اظہار یہ ہے۔ اس نظم میں انھوں نے آنسو کو ایک ایسی کیفیت کے طور پیش کیا ہے جو محض ایک جسمانی رد عمل

ہے، لیکن ان کی اصل وجہ اور معنی کو سمجھنے میں وہ خود کو ناکام محسوس کرتا ہے۔ یہ آنسو کسی خاص واقعے، خوشی یا غم کی وجہ سے نہیں بہہ رہے، بلکہ ایک بے چینی یا جذباتی حالت کے اظہار کے طور پر بہہ رہے ہیں۔

اصل متن کچھ یوں ہے:

Tears, idle tears.

Tears, idle tears, I know not what they mean,

Tears from the depth of some divine despair

Rise in the heart, and gather to the eyes,

In looking on the happy Autumn-fields,

And thinking of the days that are no more.(۶۷)

یوسفی اس نظم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میاں بیوی کی گھمسان کی جنگ یا اتفاقی جھڑپ میں فتح ہمیشہ اس کی ہوتی ہے جو پہلے رودے! یہ اور بات کہ حق بھی اس کے پہلے اور آنسوؤں سے تر پلو میں ہوتا ہے۔ یہ وہ آنسو نہیں جن کے بارے میں شاعر نے کہا تھا۔

Tears, idle tears, I know not what they mean.(۶۸)"

چیشائر کیٹ Cheshire Cat

چیشائر کیٹ، Cheshire Cat کی افسانوی کردار lewis carroll(۲۷ جنوری ۱۸۳۲ء۔ ۱۴ جنوری ۱۸۹۸ء) نے اپنی کتاب *Alice's Adventures in Wonder land(November 1865)* کے باب نمبر چھ pig and pepper میں پیش کی ہے یہ بلی اپنی نمایاں مسکراہٹ اپنی مرضی سے غائب ہونے، دوبارہ ظاہر ہونے کی صلاحیت اور لمبی دُم کے لیے مشہور ہے۔ بلی کی آہستہ آہستہ ختم ہونے کی صلاحیت ایلس کو پریشان کرتی ہے، جو ایک موقع پر خود کو بلی کی مسکراہٹ کی موجودگی میں پاتی ہے۔(۶۹)

چیشائر کیٹ، Cheshire Cat کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"آج ان باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ شیر دلیر ڈکٹیٹر جب "ایلس ان ونڈر لینڈ" کی بلّی کی مانند آؤٹ ہو جاتے ہیں اور فق چہروں سے افق تک کھسیانی سی مسکراہٹ باقی رہ جاتی ہے تو وہ بالکل کاغذی اور کیسے بے ضرر معلوم ہوتے ہیں!۔"(۷۰)

ایلس

ایلس *Alice's Adventures in Wonder land(November 1865)*، کا مرکزی کردار ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ایلس گھاس کے میدان میں سو جاتی ہے اور خواب دیکھتی ہے کہ وہ خرگوش کے بنائے ہوئے سرنگ میں سفید خرگوش کا پیچھا کرتی ہے۔ اسے مکمل طور پر غیر منطقی اور بہت ہی عجیب و غریب مخلوق اور واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔(۷۱)

ایلس کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"وضاحتاً ایلس کی بلّی کو اپنی کمک پر بلانا پڑے گا۔ ایلس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کدھر جائے۔ اس نے دیکھا کہ نزدیک ہی ایک درخت کے گڑے پر Cheshire cat ٹنگی ہے۔ ایلس نے اس سے پوچھا

"Would you tell me, please, which way I ought to go from here?"

"That depends a good deal on where you want to get to," said the Cat.

"I don't much care where---" said Alice.

"Then it doesn't matter which way you go", said the Cat. so long as I get somewhere," Alice added as an explanation.

"Oh, you're sure to do that," said the Cat, "if you only walk long enough."(۷۲)

درجہ بالا حوالہ دینے سے پہلے یوسفی آوارگی کے متعلق "لذتِ آوارگی اور ایلس کی بلی" عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ اگر ایک بار کوئی آوارگی سے آشنا ہو جائے تو پھر سیدھی سڑک پر نہیں چل سکتا۔ یہ مکالمہ lewis carroll کی کتاب Alice's adventure in wonderland میں صفحہ نمبر ۸۹ پر ایلس اور بلی کے درمیان ہوا ہے۔

اوجین اصطبل Augean.Stables

اوجین اصطبل، یونانی اساطیر میں، اصطبل کی ملکیت Augeas کی ہے، جو اس افسانے کے کچھ ورژنوں میں دیوتا ہیلیوس کا بیٹا ہے اور شمال مغربی Pelopónnisos (Peloponnesus) میں ایلس کا بادشاہ ہے۔ Augeas کے پاس مویشیوں کا ایک بہت بڑا ریوڑ تھا، جس میں Helios کے لیے مقدس ۱۲ سفید بیل بھی شامل تھے، جنھیں ان اصطبلوں میں رکھا گیا تھا اور برسوں سے صاف نہیں کیا گیا تھا۔ یونانی ہیرو ہرکولیس نے یہ کام Alpheus اور Peneus دریاؤں کا رخ اس طرف کر کے کیا تھا۔ Augeas نے ہرکولیس سے اس کے ریوڑ کا دسواں حصہ بطور ادائیگی کا وعدہ کیا تھا لیکن اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس کے بعد ہرکولیس نے اس کے خلاف فوج بھیجی، جس نے Augeas اور اس کے بیٹوں کو قتل کیا۔(۷۳)

درج ذیل اقتباس میں یوسفی اپنے کمرے کے احوال کا ذکر کرتے ہیں اور جب میڈم روبینہ انھیں صفائی کی ترکیب بتاتی ہیں تو وہ یوجین اصطبل کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دِلدّر کا نصف بدتر حصہ تو میں خود ہوں! جی چاہے تو اسے Augean Stables کہہ سکتے ہیں۔ برا نہیں مانوں گا۔ ایک عمر ایسی بھی آتی ہے جب انسان ان نفاستوں، ایسے بکھیڑوں سے لاتعلق اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہ عرفان حیات اور روشن ضمیری کی منزل ہے۔"(۷۴)

ڈی ایچ لارنس D. H. Lawrence (۱۱ ستمبر ۱۸۸۵ء-۲ مارچ ۱۹۳۰ء) کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"اس تناظر میں ڈی۔ایچ۔لارنس کا ادّعائے برتری کچھ ایسا محال یا خالی خولی تعلّی غیر شاعرانہ معلوم نہیں ہوتی۔ زندگی کے سوا کوئی چیز اہم نہیں۔ میں زندگی کو زندہ ہستیوں کے اندر ہی دیکھتا ہوں۔ باہر جتنی بھی مردہ چیزیں ہیں، زندہ چیزوں کا ضمیمہ ہیں۔ مردہ شیر سے زندہ کتا ہونا بہتر ہے۔ مگر زندہ کتے سے زندہ شیر ہونا بہتر ہے۔ میں ایک زندہ بشر ہوں اور خود کو کسی بھی سائنس داں، اولیاء یا فلسفی سے بالاتر سمجھتا ہوں، کیوں کہ یہ سب زندہ انسان کے مختلف اجزاء کے ماہر ہیں مگر ان اجزاء کی سالم صورت کا ادراک نہیں رکھتے ۔ جزو کی نسبت کل ایک بڑی چیز ہے۔اور زندہ بشر ایک کل ہے۔"
ڈی۔ایچ۔لارنس۔"(۷۵)

ڈی ایچ لارنس اپنے مضمون "Why the novel matter" میں لکھتے ہیں:

"According to Lawrence nothing is more important than life. Living things aremore valuable than dead objects. A living dog is better than a dead lion but aliving lion is better than a living dog. Lawrence says that scientists and philosophers find it difficult to accept the value of the living. For the philosopher nothing but thoughts matter. For the scientist a living man is of no use. He only wants a dead man whom he dissects and observes under the microscope. For ascientist a man is a heart, a liver, a kidney, a gland or a tissue. But for the novelist the only thing that matters is a whole living man. Lawrence refuses to believe thathe is a body or a soul or a brain or a nervous system. He considers himself to bea complete whole made up of all these parts, a whole that is greater and more significant than the individual parts. And for this reason, he is a novelist and he considers himself superior to the saint, the scientist or the philosopher."(۷۶)

یوتوشینکو Yevgeny Aleksandrovich Yevtushenko Evtushenko (۱۸ جولائی، ۱۹۳۳ء-یکم اپریل، ۲۰۱۷ء) کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

"نہ صرف جوئے شیر لانے، بلکہ سموچے کوہِ بے ستوں اور خود کش کو ہکن فرہاد کو آلۂ خودکشی یعنی خون آلود تیشے سمیت اٹھالانے کے مترادف ہے!نام یاد نہیں آرہا کسی دانا ہی کا قول ہے جو ترجمے۔۔۔۔ ہر ترجمے کی دشواریوں پر صادق آتا ہے:

When it is faithful, it is not good, and when it is good, it

is not faithful.(۷۷)"

یہ یوتوشینکو کا مشہور مقولہ ہے وہ لکھتے ہیں:

"Translation is like a woman when it is beautiful, it is not faithful

if it is faithful, it is most certainly not beautiful."(۷۸)

گوئٹے کا شیطان

جوہان وولف گینگ وون گوئٹے Johann Wolfgang von Goethe (۲۸ اگست ۱۷۴۹ء-۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء) کا شاعرانہ ڈرامہ فاوسٹ(Faust) جس کا پہلا حصہ، ۱۸۰۸ء کو اور دوسرا، ۱۸۳۲ء کو شائع ہوا تھا۔ اس ڈرامے کے کرداروں میں فاؤسٹ اور شیطان بہت اہم ہیں۔ اس ڈرامے میں شیطان فاؤسٹ کو گمراہ کرنے پر تُلا ہوا ہوتا ہے لیکن آخر کار فاؤسٹ کا ضمیر جاگ جاتا ہے اور وہ اپنے خدا سے رجوع کرتا ہے۔(۷۹)

گوئٹے کے شیطان کا حوالہ دیتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں:

گوئٹے کا شیطان کہتا ہے طلسمی مشروب پینے کے بعد تمہیں ہر عورت ہیلن نظر آئے گی!
میں سمجھتا ہوں کہ اچھا اور سچا فن کار، اس سے بھی بڑے معجزہ فن پر قادر ہے۔(۸۰)

شیطان ہمہ وقت اس کوشش میں رہتا ہے کہ فاؤسٹ کو کسی نہ کسی طریقے سے ورغلائے اور جہنم میں لے جائے اس لیے وہ یہ جال بچھاتا ہے کہ فاؤسٹ طلسمی مشروب پیئے گا اور میرے جال میں پھنس جائے گا۔

حوالہ جات

۱. ڈاکٹر مظہر احمد، صاحب طرز ظرافت نگار مشتاق احمد یوسفی ایک مطالعہ (دہلی: کتابی دنیا ۱۹۵۵ء) ص ۸۲۔
۲. ایضاً، ص ۸۷۔
۳. مشتاق احمد، یوسفی مجموعہ، چراغ تلے (لاہور: جہانگیر بکس ۲۰۱۵ء) ص، ۱۰۸۔
4. "Antony and Cleopatra act 1 scene 2
5. https://www.britannica.com/topic/Marcus-Brutus
6. https://www.britannica.com/topic/Mark-Antony-fictional-character
۷. مشتاق احمد، یوسفی، شام شعریاراں (لاہور: جہانگیر بکس س ن) ص ۱۵۸۔
8. Julius ceaser act 3 scene 2
۹. شامِ شعریاراں ص ۳۲۳۔
10. Julius ceaser act 1 scene 2.
۱۱. مشتاق احمد، یوسفی، مجموعہ، خاکم بدہن (لاہور: جہانگیر بکس ۲۰۱۵ء) ص ۱۲۰۔
12. Julius Caesar act 3 scene 1
13. "King Lear." Microsoft® Encarta® 2009 [DVD]. Redmond, WA: Microsoft Corporation, 2008.

۱۴. شامِ شعر یاراں ص ۳۲۴۔

15. King lear act 1 scene 1

16. "Macbeth (play)." Microsoft® Encarta® 2009 [DVD]. Redmond, WA: Microsoft Corporation, 2008.

۱۷. مشتاق احمد، یوسفی، مجموعہ، آبِ گم (لاہور: جہانگیر بکس ۲۰۱۵ء) ص، ۲۸۔

18. Macbeth act 5 Sean 1

۱۹. مشتاق احمد، یوسفی، مجموعہ، زرگزشت (لاہور: جہانگیر بکس ۲۰۱۵ء) ص ۲۱۷۔

20. Macbeth Act 1 scene 7

۲۱. مشتاق احمد، یوسفی، مجموعہ، خاکم بدہن (لاہور: جہانگیر بکس ۲۰۱۵ء) ص ۲۷۔

22. Macbeth act 2 scene 2

۲۳. شامِ شعر یاراں ص ۳۱۲

24. Antony and Cleopatra act 2 scene 5

۲۵. ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر، آغا حشر کاشمیری: سوانح و سرمایہ، (دہلی: اردو اکادمی س ن) ص ۹۔

۲۶. بی بی رضا خاتون، ڈاکٹر، اردو طنز و مزاح کا یوسف لاثانی مشتاق احمد یوسفی، (جہلم: بک کارنر، نومبر ۲۰۱۸ء) ص ۱۵۸۔

۲۷. مجموعہ، زرگزشت ص ۲۱۰۔

۲۸. مجموعہ، چراغ تلے ص ۸۴۔

۲۹. مجموعہ، چراغ تلے ص ۵۹۔

30. David R. Sorensen and brent E Kinser (editors)On heroes, hero- worship, and heroic of history. (London: yale university press,2013) page 30

۳۱. مجموعہ، خاکم بدہن ص ۷

32. Samuel Johnson, the Life of Samuel Johnson (London:1823) p:12

۳۳. ایضاً ص ۳۱۳

۳۴. مجموعہ، خاکم بدہن ص ۱۲۵۔

۳۵. مجموعہ، زرگزشت ۲۴۳۔

36. ELIOT T.S ,A choice of kipling's verse (London:1973)p 179

37. https://study.com/learn/lesson/the-pickwick-papers-by-charles-dickens-summary-characters-events.html

۳۸. مجموعہ، زرگزشت ۲۴۴۔

۳۹. مجموعہ، آبِ گم ص ۲۵۰۔

40. Mary Augusta Scott(editor), The essays of Francis bacon, (New York:1908) p:234

۴۱. مجموعہ، آبِ گم ص ۲۵۰۔

42. Gilbert k. Chesterton, The flying inn by Chesterton(new York:1914) p184.

۴۳. مجموعہ، آبِ گم ص ۱۴۱۔

44. G.K Chesterton, *The Collected Poems of G. K. Chesterton(USA: Ballou press,1932)p 308.*

۴۵. مجموعہ، آبِ گم ص ۱۵۔

46. Philip Larkin *the less deceived,* (UK: Marvell press ,1955) p: **

۴۷. مجموعہ، آبِ گم ص ۲۳۸۔

48. M.A Eaton b.a(editor), the rime of the ancient mariner (Chicago: educational publishing company,1906) p:16

49. https://www.britannica.com/topic/Odyssey-epic-by-Homer

۵۰. مجموعہ، آبِ گم ص۲۳۹۔

۵۱. مجموعہ، آبِ گم ص۱۸۔

52. Matthew Arnold poetical work of Mathew Arnold (London: Macmillan and co and new york,jan 2009)p.336.

53. https://www.britannica.com/topic/Long-Days-Journey-into-Night-play-by-ONeill

54. Harmon, William. "James Joyce." Microsoft® Encarta® 2009 [DVD]. Redmond, WA: Microsoft Corporation, 2008.

۵۵. مجموعہ، آبِ گم ص۲۲۔

56. https://www.britannica.com/topic/Molly-Bloom

۵۷. شامِ شعر یاراں ص۶۵۔

58. James Joyce, Ulysses (global Gary 2021) page 515.

59. https://www.britannica.com/biography/Samuel-Pepys

۶۰. مجموعہ، آبِ گم ص۲۴۔

61. https://www.britannica.com/topic/Nana-novel-by-Zola

۶۲. مجموعہ، آبِ گم ص۳۴۶۔

۶۳. مجموعہ، آبِ گم ص۱۳۲۔

64. Charles Lamb, The Letters of The Charles Lamb Volume 1(New York:1911) P 130.

۶۵. مجموعہ، آبِ گم ص۱۳۲۔

66. Dylan Thomas, Dylan Thomas Poems (poem hunter.com) p:56.

67. Alford Lord Tennyson, The Princes a Madly (USA: f.h Gilson Company Printers,1899) p 58.

۶۸. شامِ شعر یاراں ص۱۷۳۔

69. https://www.britannica.com/topic/Cheshire-Cat

۷۰. شامِ شعر یاراں ص۳۲۱۔

71. https://www.britannica.com/topic/Alices-Adventures-in-Wonderland

۷۲. شامِ شعر یاراں ص۳۹۹۔

73. "Augean Stables." Microsoft® Encarta® 2009 [DVD]. Redmond, WA: Microsoft Corporation, 2008.

۷۴. شامِ شعر یاراں ص۴۳۴۔

۷۵. ایضاً ص۲۹۷۔

76. d. h lawrance "why the novel matters"

۷۷. شامِ شعر یاراں ص۱۴۲۔

78. https://www.brainyquote.com/quotes/yevgeny_yevtushenko_

79. "Faust." Microsoft® Encarta® 2009 [DVD]. Redmond, WA: Microsoft Corporation, 2008.

۸۰. شامِ شعر یاراں ص۷۷۔